دو افسانے، ایک موضوع، دو تہذیبیں

Two Short Stories, One Theme, Two Civilizations.

ڈاکٹر ماجد مشتاق
شعبہ اردو، جی سی یو، فیصل آباد
ڈاکٹر طاہر طیب
شعبہ اردو، گورنمنٹ ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

Abstract:

The history of Urdu short story starts from the twentieth century. Prem Chand and Pandit Badri Nath Sadarshan were the great short story writers of this era. Imperative study of Hajj-e Akbar and Teerath Yatra, shows that there is a sincerity of subject in it but both of writers reflect civilizations in different way. Prem Chand having great look on Muslim tradition and Islamic values, while sadarshan showed great reflection of Hindu tradition. This article having critical approach towards subject and presentation will help the scholars to know about writers and this style.

کلیدی الفاظ: تہذیب، سدرشن، پریم چند، مماثلت، بیماری، مامتا، لاجونتی، نصیر

اردو ادب میں افسانے کا آغاز بیسویں صدی کی پہلی دہائی سے ہوا۔ اردو کا پہلا افسانہ نگار کون ہے؟ اس پر مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ ایک عہد تک ناقدین کے نزدیک پریم چند اردو کا پہلا افسانہ نگار مانا جاتا رہا۔ مگر 1971ء میں ڈاکٹر سید معین الرحمٰن نے مطالعہ یلدرم میں سجاد حیدر یلدرم کو اردو کا پہلا افسانہ نگار قرار دیا۔ (1) بعد ازاں یہ تحقیق علامہ راشد الخیری کو پہلا افسانہ نگار ماننے کی طرف چلی گئی۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ انہیں پہلا افسانہ نگار قرار دیا۔ (2) اس حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں ڈاکٹر مسعود رضا خاکی کے پی ایچ ڈی کے مقالہ "اردو افسانے کا ارتقاء" میں مصنف کے دعوے سے مخزن میں اس کی اشاعت 1903ء کے "خدیجہ اور نصیر" سے ہوئی۔ (3) یہاں اس بحث کو طول دینا مقصود نہیں مگر یہ غلط فہمی دور کرنا مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ راشد الخیری اطلاع کی یہ کہانی تکنیکی اعتبار سے افسانہ ہے یا نہیں۔ جب کہ ڈاکٹر انوار احمد نے اسے ناول کا ٹکڑا قرار دیا۔ وہ لکھتے ہیں: "اگرچہ فنی اعتبار سے یہ افسانے سے زیادہ ایک ناول کا ٹکڑا دکھائی دیتا ہے۔(4)

اس رائے اور علامہ راشد الخیری کی کہانیوں کا مجموعی تاثر کہیں بھی افسانے کی تکنیک کے مطابق نہیں۔ یہ بحث طول پکڑے گی تو نئے سوال اٹھیں گے۔ یہاں پر پریم چند کے افسانہ "حج اکبر" اور انہیں سے متاثر سدرشن کے افسانہ "تیرتھ یاترا" کے حوالے سے موضوعاتی مماثلت اور تہذیبی تنوع ہے۔ سدرشن اردو افسانے کے ابتدائی مصنفین میں سے ایک ہیں۔ پنڈت بدری ناتھ سدرشن نے فطرت نگار کے نام سے شہرت پائی۔ وہ اپنی تحریروں میں پریم چند کے موضوعات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ رہی ہوگی کہ انہیں اردو افسانے کی تاریخ میں وہ مقام حاصل نہیں ہے جو انہیں ملنا چاہیے تھا۔ اور اگر یہی مماثلتیں پیمانہ مان لی جائیں تو پھر صرف افسانہ ہی نہیں غزل، نظم، ناول اور دیگر اصناف سے بھی کئی بڑے نام حذف کرنے پڑیں گے۔ پریم چند کا عہد 1820ء سے 1936ء کا ہے(5)۔ ان کے افسانوں کی اشاعت عہد جوانی سے مختلف شماروں اور رسائل میں شروع ہوئی۔ جب کہ سدرشن کا عہد 1896ء سے 1967ء کا ہے۔(6) ان کے افسانوں کی اشاعت بیسویں صدی کی دوسری دہائی سے ہوئی۔

پریم چند کا شہرہ آفاق افسانہ "صبح اکبر" 1917ء میں شائع ہوا۔(7) اس افسانے میں مسلم تہذیب کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ سدرشن کا افسانہ "تیرتھ یاترا" 1922ء میں منظرِ عام پر آیا۔(8) اس افسانہ میں ہندی تہذیب کا بھرپور نقشہ کھینچا گیا ہے۔ سدرشن کو پریم چند کی نسبت سے ان کا مقلد کہہ کر پکارا گیا۔ پریم چند کی حقیقت نگاری ان کے لیے پہچان بنی تو سدرشن کی فطرت نگاری نے انہیں تعارف عطا کیا۔ مذکورہ بالا افسانوں کے تقابل سے پیشتر پریم چند کی رائے دیکھ لینا ضروری ہے، جس میں انہوں نے سدرشن کے افسانوں کو منفرد انداز میں بیان کیا ہے:

> "سدرشن کی کہانیوں میں تقریباً وہ تمام اجزاء موجود ہیں جو کہانی کو دلآویز بنا دیتے ہیں۔ آپ میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپ نے زیادہ تر قصے اساسی جذبات پر قائم کیے ہیں۔ کسی فوری تحریک کے زیر اثر، کسی پروپیگنڈا کے لیے کوئی قصہ نہیں لکھا اور کوئی وجہ نہیں کہ یہ قصے ملک کے مستقل ادبی ذخیرہ کا حصہ کیوں نہ بن جائیں۔(9)

سدرشن کے افسانوں کے بارے میں پریم چند کی رائے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے، سدرشن نے کسی کے زیر اثر لکھنے کی روش نہیں اپنائی اگر مماثلت موجود ہے تو ایک ماحول میں رہتے ہوئے سوچنے کے انداز میں قدرتی یا فطری اتفاق ہے۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ افسانے کا ابتدائی دور مابعد یورپی

تحریکوں کے زیر اثر تنوع سے محفوظ رہا اور اس دور میں جو لکھا گیا وہ خالصتاً بیرونی مشاہدات اور اندرونی تحریک کے عین مطابق تھا۔ اس انداز کو ہی خالص تخلیق کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

اب اگر بقول ڈاکٹر انوار احمد کے سدرشن کو پریم چند کا معتقد یا مقلد کہنا بھی درست مان لیا جائے تو یہ رائے بھی درست معلوم نہیں ہوتی۔ ادبی رویے اور رجحانات میں ایسی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے دو ادیبوں کے درمیان مشابہت تقلید کی صورت نظر آتی ہے۔ بیسویں صدی کا ابتدائی ربع اور بالخصوص ابتدائی دور معاشرتی رویے اور ان کی اصلاح کے موضوعات کے گرد گھومتا دکھائی دیتا ہے۔ پریم چند کے افسانہ "حج اکبر" اور درشن کے افسانہ "تیرتھ یاترا" کی تخلیق میں پانچ سال کا وقفہ نظر آتا ہے۔ یہ عرصہ اتنا طویل نہیں کہ ہم اسے سند کے طور پر پیش کریں اور نہ ہی یہ امکان ظاہر ہوتا ہے کہ سدرشن کی نظر سے حج اکبر نہ گزرا ہو۔ دوسری صورت تو بالکل واضح ہے۔ پریم چند بہارستان کا دیباچہ لکھتے ہیں تو مشمولات سے لاتعلقی بھی خلافِ واقع نظر آتی ہے۔

پریم چند نے سدرشن کے موضوعات کو سراہا بھی ہے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مناسب ہے کہ اس دور کے ادبی رجحانات میں معاشرتی اصلاح کا غلبہ ہے اور دونوں افسانہ نگاروں کے ہاں غالب رجحان بھی یہی ہے۔ حج اکبر کا موضوع اسلامی روایات اور فرائض کے تناظر میں اہمیت کا حامل ہے۔ اس افسانے کا کردار "نصیر" باقی کرداروں صابر حسین، شاکرہ اور عباسی کے درمیان قوتِ متصلہ (binding force) کے طور پر سامنے آتا ہے اور اس معصوم بچے کی نفسیات ہی کہانی میں کوئی رشتوں اور محبت کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔ شاکرہ کا عباسی سے بگڑنا گو کہ مالکن اور ملازمہ کے باہمی تعلقات کی عمومی عکاسی ہے، مگر تذلیل و تحقیر کے بعد بھی اس گھر سے عباسی کی وابستگی نصیر کی محبت کی وجہ سے ہے۔ صابر حسین کا کردار لکھنوی روایات کا عکاس ہے جہاں مرد گھر کے معاملات میں عورت پر انحصار کرتے ہیں۔ طیب عباسی اور شاکرہ کا تعلق کشیدگی کے راستے راہیں جدا ہونے تک آیا تو نصیر سے صابر حسین کی ہمدردانہ محبت، شاکرہ کی مامتا اور عباسی کی نصیر سے خونی رشتہ نہ ہونے کے باوجود مامت ہی اس افسانے کا حسن ہے۔ اس محبت کو حج کے تقابل میں پیش کرنا افسانہ نگار کی تخلیقی اُپج کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ میں مذہب کے مناسک اور انسانیت میں اہمیت واضح کرنا ہے۔ یہاں افسانہ نگار نے نہ تو کسی مصلح کی طرح اصلاح پسندی کو واضح ہونے دیا اور نہ ہی کسی مبلغ کی طرح لمبے مکالموں سے وعظ کی کوشش کی۔

پریم چند نے انسانی افعال و اعمال کو حقیقت کی سطح پر پیش کیا ہے۔ شاکرہ کی عباسی سے چپقلش، عباسی کا گھر سے نکلنا، صابر حسین اور شاکرہ کے مکالمے، نصیر کی دایہ سے محبت اور اس محبت کی عدم موجودگی میں بیماری۔ پریم چند نے اس افسانے کا اختتام ایس انداز میں کیا کہ بچے کی اصل وجہ انا (عباسی) کی محبت اور عباسی سے دوری

ہے۔ پریم چند نے بچے کی بیماری کو عباسی کے حج کے ارادے سے جوڑ کر مذہبی فرائض اور انسانی ہمدردی کے درمیان حدِ فاصل قائم کی اور انسانی زندگی کو مذہبی عقائد سے مقدم بنا کر پیش کیا ہے:

> "عباسی بول کیوں بیٹا، مجھے تو نے کعبہ شریف نہ جانے دیا۔ میرے حج کا ثواب کون دے گا؟۔ صابر حسین نے مسکرا کر کہا، تمہیں اس سے کہیں زیادہ ثواب ہو گیا۔ اس حج کا نام حج اکبر ہے۔(10)

مجموعی طور پر یہ افسانہ ماحول میں پیدا شدہ کیفیت کی عکاسی، جہاں لوگ انسان یا انسانی زندگی کے اہم ترین پہلوؤں پر مذہب اور مذہبی مناسک کو فوقیت دیتے ہوئے بھول گئے کہ انسان ہی الہامی مذاہب کا موضوع ہے۔ لہٰذا انسانی زندگی کی خدمت اور حفاظت ہی اعلیٰ ترین مذہبی فریضہ ہے۔ سدرشن کا افسانہ "تیرتھ یاترا" بھی اسی موضوع پر تحریر کردہ افسانہ ہے مگر انہوں نے افسانے کا خیر پریم چند کے افسانے کے مذہبی پیرائے سے مختلف ہندو مت اور اس کی رسومات سے اٹھایا ہے۔ سدرشن کا کردار لاجونتی بی ماںتا کے جذبے سے سرشار کردار ہے۔ جس کی کئی اولادیں کم عمری میں ہی دنیا سے جا چکی ہیں۔ اب ایک لڑکا "ہمراج" جو اس کی آخری اولاد ہے، ہی آخری سہارا ہے۔ اس لڑکے سے وابستہ خوشیاں اسے پچھلے سارے غموں سے بیگانہ کر دیتی ہیں۔ ہمیراج کی بیماری نے اسے طرح طرح کے وسوسوں سے مبتلا کر دیا ہے۔

وہ اس کی بیماری کو موسم کی تبدیلی کے ساتھ دیکھتی ہے تو اس کا دل دھک سے بیٹھ جاتا ہے اور اسے اسی موسم میں بچھڑنے والے بیٹے کی یاد ستاتی ہے۔ علاج کے لیے حکیم بلایا گیا اور اس کی خدمت اور علاج میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتی گئی۔ حکیم صاحب نے بخار کو معیادی بخار کہہ کر دن اکیسویں دن اترنے کا عندیہ دیا مگر دوا علاج کے بعد بھی ہمیراج کی طبیعت دن بدن بگڑتی گئی اور حکیم صاحب نے بھی آج کی رات کو بچے کے لیے خطرہ قرار دیا۔ رام لال اور لاجونتی دونوں سہم گئے۔ رات کے وقت لاجونتی نے بیٹے کے لیے منت ماننے کے لیے مندر کا رخ کیا:

> اس نے شام کے وقت تھال میں گھی کے دیے جلائے اور مندر کی طرف روانہ ہوئی۔ اس وقت اسے اکسیر زندگی بخش تصورات کے ساتھ رقص کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ لاجونتی ایک جوش کی حالت میں مندر پہنچی۔ اور دیوی کے سامنے گر کر دیر تک روتی رہی۔ جب تھک کر اس نے سر اٹھایا تو اس کے چہرے پر اطمینان تھا، جیسے طوفان کے بعد سمندر ساکت ہو جاتا ہے۔ اسی وقت کوئی غیبی طاقت اس کے کان میں کہہ رہی تھی کہ تم نے اشک باری سے دیوی کے سنگین دل کو رام کر لیا ہے مگر اس نے اسی پر قناعت نہیں کی۔ مہر مادری نے وسوسوں کو زیادہ ہولناک بنا دیا تھا۔ لاجونتی نے دیوی کی آرتی کی، پھول چڑھائے، مندر کے گرد طواف کیا اور محبت کے بوجھ سے لرزتی ہوئی آواز میں منت مانی کہ دیوی ماتا! میرا ہمیراج بچ گیا تو تیرتھ یاترا کروں گا۔(11)

اور پھر اس منت کے بعد جیسے معجزہ ہو گا اور ہمیراج بچ گیا۔ رام لال اسے سارتری کہتا ہے اور اس کے احسان پر اس کا مضمون ہے۔ بیٹے کی زندگی بخشنے پر تیر تھ یاترا کے لیے پیسوں کا اہتمام کیا گیا اور لاجونتی نے اس نیک کام کا ارادہ کیا۔ پورے گاؤں کی دعوت ہوئی عورتیں خوشی سے پھولی نہ سمائی تھیں اور لاجونتی اس خوشی سے سرمشار تھی کہ وہ اپنے بیٹے کی منت اتار کر دیوی کا احسان، نیاز مندی سے اتارے گی۔ اس کی پڑوسن مہرو، کے چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے مگر اس خوشی کے ماحول میں کوئی انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ رات کے وقت لاجونتی نے پڑوس سے سسکیوں کی آواز سنی تو وہ چپکے سے پاس گئی۔ مہرو، فکر مندی سے زیادہ پریشان تھی اور پریشانی کی وجہ سے اس کی لڑکی شادی تھی۔ لاجونتی نے مہرو کی ساری پریشانی سنی۔ مسئلہ لڑکی کی زندگی کا تھا جہیز نہ ملنے پر برہمن کی بیٹی کی بارات نہ آئی۔ لاجونتی تیر تھ یاترا کے لیے جمع پیسے مہرو کو دے دیے اور اپنی تیر تھ یاترا قربان کر دی جو آسان فیصلہ نہ تھا۔ مصنف نے اس منظر کو الفاظ میں یوں سمویا کہ پریم چند کے کردار صابر حسین کے الفاظ سے زیادہ تاثیر نظر آئی:

> "لاجونتی نے جوش کی حالت میں کہا، فکر نہ کرو، تمہاری مشکل میں آسان کروں گی۔ مہرو نے وہ سنا جس کی امید نہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں شکر گزاری کے آنسو بہنے لگے۔ لاجونتی تیر تھ یاترا کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔ وہ سوچتی تھی ہر دوار استھرا۔ مندروں کو دیکھ کر طبیعت کلی کی مانند شگفتہ ہو جائے گی لیکن اسے اس وقت جو خوشی حاصل ہوئی۔ وہ اس خیال سے بدر جہاں افضل تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی گھر گئی اور ٹرنک کھول کر دو سو روپے مہرو کے سامنے ڈھیر کر دیے۔ یہ روپے جمع کرتے ہوئے۔ وہ خوش ہوئی تھی، انہیں دیتے وقت اس سے بھی زیادہ کوشش تھی۔(12)

سدرشن نے تیر تھ یاترا کے ارادے کو ملتوی کرنے کے پیچھے لگے وسوسوں اور لوگوں کی چہ مگوئیوں کے ذریعے لاجونتی کے وسوسوں کا خوب صورتی سے اظہار کیا ہے۔ وہ ماں ہے، مامتا کے جذبے سے سرشار منت مانگ کر دیوی سے بیٹے کی زندگی لی تھی۔ اب اسے ان وسوسوں نے آگھیرا کہ کہیں دیوی ناراض ہو کر اسے اس کے بیٹے سے محروم نہ کر دے۔ اسے اپنی قربانی پر کوئی افسوس یا پچھتاوا نہیں مگر مامتا سے بے چین وسوسے اس کے دل کو مضطرب رکھتے ہیں۔ سدرشن نے افسانے کا اختتام ان وسوسوں کے خاتمے کے ساتھ کیا ہے۔ جب لاجونتی بالکل اسی طرح گھی کے دیے جلا کر مندر میں جا پہنچتی ہے۔ اسے لگا کہ دیوی سے رو کر وہ دوبارہ اس کے دل کو نرم کر لے گی تو اسے لگا کوئی اس کے لیے دیوی سے پرا تھنا کر رہا ہے۔ اس نے دیکھا کوئی کہہ رہا ہے:

> "دیوی ماتا اسے سدا سہاگن بنا۔ اس کے بیٹے کو سلامت رکھ۔ اس نے ایک بیکس عورت کی عورت کی عزت بچائی ہے۔ تو اس کو اس کا اجر دے۔ اس کو گرم ہوا تک نہ لگے، یہ ایک بوڑھی

براہمنی کی پرا تھنا ہے، اسے سن اور منظور کر۔ جس طرح اس نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کیا ہے اسی طرح اس کا کلیجہ ٹھنڈا رکھ۔(13)

مہرو کی یہ پرا تھنا اس کی تسلی کے لیے کافی تھی اور مندر سے واپسی پر جب وہ سوئی ہوئی تھی، تو اس نے خواب میں دیوی کو دیکھا:

"دیوی کی مُورت نے اپنے سنگھاسن نے نیچے اتر کر لاجونتی کو گلے سے لگایا اور کہا تو نے جو کچھ کہا ہے وہ ہزار تیر تھ یاترا سے بھی بڑھ کر ہے۔(14)

یوں دونوں افسانے "حج اکبر" اور "تیر تھ یاترا" اپنے موضوع کے اعتبار سے حد درجہ مماثلت رکھتے ہیں۔ دونوں کا بنیادی موضوع ایک ہے۔ انسان کی زندگی اور مجبوریاں اعلیٰ ترین مذہبی عقائد سے بڑھ کر ہیں۔ دونوں افسانوں کا خیر ماں کی مامتا اور بیٹے کی زندگی کی اہمیت سے اٹھایا گیا ہے۔ حج اکبر میں شاکرہ اپنی انا کی قربانی دے کر عباسی کو منانے کے لیے اس کے پاؤں پڑنے پر آمادہ ہے اور یہاں لو جانتی دیوی کے سامنے ماتھا رگڑ کر اس کی زندگی کی بھیک مانگتی ہے۔ عباسی کی زندگی کا واحد آسرا نصیر کی محبت اور ذات ہے تو لاجونتی کے لیے ہمیراج زندگی کی آخری خوشی۔ یہاں عباسی اگرچہ سگی ماں نہیں مگر مامتا کے احساس اور جذبے سے لبریز نظر آتی ہے۔ جب کہ لاجونتی سگی ماں ہے، تو اسی جذبے سے سرشار رہے۔ عباسی کے لیے زندگی کا مقصد صابر حسین کے گھر سے نکلنے کے بعد اپنے مالکِ حقیقی کی خوشنودی کے لیے حج کی سعادت ہے اور اس کے لیے وہ انتہائی پر جوش ہے، تو لاجونتی کے لیے "تیر تھ یاترا" کے مفاہیم بھی عباسی سے الگ نہیں۔ عباسی سارے اخراجات قربان کر کے نصیر کی زندگی کے لیے حج کا ارادہ ترک کرتی ہے۔ تو لاجونتی مہرو کی بیٹی کی آئندہ زندگی کے لیے تیر تھ یاترا اور ہر دوار متھرا کی قربانی دیتی ہے۔ دونوں کے لے ان کی عبادات کا مطلب واضح ہے اور اس کی اہمیت سے بھی واقف ہیں۔ مگر انسانی زندگی اور انسانی خدمت کے جذبے سے سرشار دونوں اس کی قربانی پر پچھتاوے کا شکار نہیں۔ دونوں افسانوں کے اختتام پر ایک ہی کیفیت نظر آتی ہے۔ "حجِ اکبر" میں عباسی سے صابر حسین مخاطب ہے کہ تمھارا یہ عمل حج سے افضل اور صحیح معنوں میں حجِ اکبر ہے تو "تیر تھ یاترا" میں دیوی سنگھاسن سے اُتر کر لاجونتی سے مخاطب ہے کہ تیرا یہ عمل ہزار تیر تھ یاترا سے بھی بڑھ کر ہے۔

پریم چند اور سدرشن کے دونوں افسانوں کا موضوع ایک مگر دونوں کا ماحول مختلف تہذیبوں کا عکاس ہے۔ پریم چند نے "حجِ اکبر" میں منشی صابر حسین اور شاکرہ کے کرداروں کا مکمل نقشہ مسلم گھرانے کی روایات کے مطابق تیار کیا ہے۔ شاکرہ، گھر کی چار دیواری تک محدود باہر کی دُنیا سے بے خبر ہے۔ وہ عباسی کے جذبے کو بھی اسی وجہ سے سمجھ نہ سکی کہ اس کا عام زمانے سے رابطہ نہیں کہ جان سکے مادی آسائشوں اور خواہشات سے

مقدم بھی کوئی جذبہ ہو سکتا ہے۔ نصیر کی بیماری کا تذکرہ ہے تو اس میں دوا علاج کے علاوہ دم درود، تعویز وغیرہ کا تذکرہ بھی مسلم تہذیب کا عکاس ہے۔ شاکرہ کی مذہبی عبادات کا اہتمام، عباسی کا حج کے لیے نکلتے ہوئے سرشاری سے تسبیح خوانی کرنا اور 'خدا اسلامت رکھے' جیسی دعائیں خالصتاً مذہبی اقدار کی عکاس ہیں۔ مسلم عقائد میں 'حج' کی اہمیت سے واقفیت اور اس کا اظہار بھی مصنف نے خوب کیا ہے۔ ارکانِ اسلام میں 'حج' وہ واحد رکن ہے جو خلوصِ نیت کے ساتھ ساتھ روپے پیسے کے اہتمام کا بھی متقاضی ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے اس فریضے کی طلب اور کشش مسرت کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور جب اس حج پر جانے کا سارا انتظام ہو جائے تو ایک مسلمان کے لیے جو اطمینانِ قلب اور خوشی میسر ہوتی ہے اس کا بھی مکمل اظہار پریم چند نے خوب صورتی سے کیا ہے۔

عباسی کا صابر حسین کے ساتھ حج کا ارادہ ترک کر کے واپسی پر جن جذبات کی عکاسی ہے وہ بھی اسی تہذیب کی عکاس ہے 'نصیب دشمناں کوئی بری خبر نہ ہو'، 'کیا دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے' جیسے الفاظ بھی اسلامی تہذیب کا پرتو ہیں جہاں اپنے پیاروں کے لیے بدشگونی کے الفاظ لانا بھی گناہ تصور کیا جاتا ہے۔ پریم چند نے اپنے افسانے میں ایک مکمل اور بھرپور تہذیبی نقشہ کھینچا ہے۔

سدرشن بھی پریم چند کی ہی طرح ہندومت کے ماننے والے ہیں۔ انھوں نے پریم چند کے برعکس ہندو معاشرت کو موضوع کے لیے مناسب سمجھا ہے۔ انھوں نے اپنے افسانے "تیرتھ یاترا" میں ہندوانہ عقائد و روایات کی بھرپور عکاسی کے ساتھ موضوع کو آگے بڑھایا ہے۔ گفتگو کا انداز اور ہندی الفاظ وتراکیب کا استعمال اس افسانے کے ماحول کو حقیقت کے قریب تر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کرداروں کے نام لاجونتی، رام لال، ہیمراج، ہر اور پراتھنا، دیوی، ساوتری، مندر، رام کرنا، پرمیشور، سادھو، براہمن، براہمنی، سُرخ رنگ کی مالا، بھگوان، سنگھاسن جیسے الفاظ وتراکیب نے اس ماحول میں حقیقت کا رنگ بھر دیا ہے۔ سدرشن نے ہندومت کی رسومات، بدشگونیاں، نظرِبد کے تصورات کی بھی خوب عکاسی کی ہے۔ لاجونتی کے ہیمراج کے لیے جذبات، اُسے گھر سے باہر نہ نکلنے دینا کسی کی نظر نہ کھا جائے اس معاشرت کی عمدہ جھلک ہے۔

بیٹے کی بیماری کے حوالے سے ہندومت کی رسومات تھال میں گھی کی چراغ جلانا، دیوی کے سامنے منت ماننا اور مندر کے چکر لگانا عمومی طور پر ہندو تہذیب میں دیکھے جاتے ہیں۔ مصنف نے موضوع کی مناسبت سے انھیں خوب برتا ہے۔

ذات پات کا تصور ہندو معاشرت اور تہذیب کا بنیادی حوالہ ہے۔ 'ہرو' کا تعلق اونچی ذات برہمن سے دکھا کر اس کی بیٹی کی مجبوری کا اظہار بھی اسی تہذیبی روش کی عکس بندی ہے۔ افسانے کے اختتام پر لاجونتی کا گڑ

گڑانا اور پھر ایک بوڑھی براہمنی کا اس کے لیے پرا تھنا کرنا، اس کے دل کو تسلی دیتا ہے تو ہندو معاشرت میں برہمن ذات کا دیوی دیوتاؤں سے خصوصی تعلق ظاہر کرتا ہے۔

ہندو معاشرت میں دیوی دیوتاؤں کی ناراضگی سے خطرات کا اندیشہ اہم جزو ہے۔ مصنف نے کمال مہارت سے لاجونتی کے تیرتھ یاترا کے ارادے کی تبدیلی پر اسے پیش کرتے ہوئے حقیقی تصویر کشی کی ہے۔ یہاں تک کہ لاجونتی جو اپنے کیے پر شرمندہ نہیں مگر دیوی کی ناراضگی سے ڈر کر دوبارہ دیوی کے قدموں میں گرتی ہے اور اسے تسلی بھی تب ملتی ہے جب دیوی اُسے گلے سے لگاتی ہے۔ براہمنی کی شادی نہ ہونے پر گاؤں پر آفت ٹوٹنے کا اندیشہ بھی بیسویں صدی کے اوائل کی ہندوانہ معاشرت کا عکاس ہے۔

مجموعی طور پر سدرشن نے کمال مہارت سے لاجونتی کے کردار کو ہندو تہذیب کا نمائندہ کردار بنا کر پیش کیا ہے اور اس سے وابستہ کردار بالخصوص 'ہرو' کا کردار اس تاثر کو مزید مضبوط کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ 'پریم چند' اردو افسانے کے اولین ناموں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا افسانہ 'حجِ اکبر' اور ان کے معتقد فطرت نگار سدرشن کا افسانہ "تیرتھ یاترا" ایک ہی موضوع پر لکھے گئے افسانے ہیں مگر دونوں کا ماحول اور پیش کش دو تہذیبوں (مسلم، ہندو) کے تناظر میں بالکل مختلف اور متضاد ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی دو بڑی تہذیبوں کی عکاسی دونوں مصنفین کے ہاں بھرپور ہے۔ "حجِ اکبر" اور "تیرتھ یاترا" میں انھی دو بڑی تہذیبوں کی نمائندگی اس قدر پُراثر ہے کہ دونوں افسانے اپنے موضوع کی مماثلت، کہانی کی روانی اور انجام میں اشتراک کے بعد پیش کش کے اعتبار سے انفرادیت حاصل کرتے ہیں اور قاری کو مذہبی و تہذیبی حوالے سے دونوں میں الگ تاثیر محسوس ہوتی ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ معین الرحمٰن سید، مطالعۂ یلدرم (لاہور: نذر سنز پبلشرز، ۱۹۷۱ء) طبع اول، ص:۳۷

2۔ حامد بیگ، مرزا، ڈاکٹر، اردو افسانے کی روایت

3۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء) ص:۳۵

4۔ ایضاً، ص:۳۵

5۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، پریم چند شخصیت اور کارنامے (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، س ن) ص:۱۶

6۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ص:۲۳۷

7۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، پریم چند: فکر و فن (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۶ء) ص:۴۱

8۔ سدرشن، بہار ستان (لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، س ن) ص:۲۴

9۔ پریم چند، دیباچہ، مشمولہ: بہار ستان، از سدرشن، ص:۷

10۔ پریم چند، پریم بتیسی (لاہور: دارالاشاعت، ۱۹۲۰ء) ص:۱۳۴

11۔ سدرشن، بہار ستان، ص:۱۵۔۱۶

12۔ ایضاً، ص:۲۱۔۲۲

13۔ ایضاً، ص:۲۴

14۔ ایضاً، ص:۲۴